

عصر نبوی میں توازن طاقت کی اہمیت: ایک جائزہ

**The Importance of the Balance of Power
In the Prophetic Era: A Review**

سیدہ ماہ جبین

PhD Research Scholar, Institute of Islamic Studies, MY University, Islamabad.

syedamahjbeen25@gmail.com**Abstract**

This research focuses on the topic, “The Importance of the Balance of Power in the Prophetic Era: A Review,” which aims to analyze the strategies, principles, and practical implementation of the balance of power in the early period of the Islamic State of Madinah. The Prophetic Era Ahad-e-Nabawi ﷺ is that ideal period where power was used not merely for domination or coercion, but for justice, peace, and collective welfare. Internally, social justice, the rights of minorities, and legal equality were promoted, while externally, the use of force was governed by the principles of wisdom, peace treaties, and defense. The main objective of this study is to understand the means and principles through which the Messenger of Allah ﷺ utilized power in a balanced manner, and how this balance helped establish internal and external peace. A key research question is: What were the limits and constraints placed on the use of power so that it would not become a source of oppression, corruption, or tyranny? The nature of the research is qualitative and it is based entirely on secondary sources. In this regard, authentic books and articles based on the Prophetic biography Seerah, historical traditions, $\text{\textit{Hadith}}$, and Islamic political science will be reviewed. Furthermore, the $\text{\textit{Treaty of Madinah}}$, the $\text{\textit{Treaty of Hudaibiyah}}$, various military expeditions Ghazawat, and diplomatic strategies will be used as case studies to practically understand the principles of the balance of power. The balance of power in the Prophetic Era ﷺ was an integrated, religious, and ethical concept that not only stabilized the state but also helped introduce Islamic values on a global level. In today's political and social context, these principles provide ideal guidance for a sustainable and just system of governance.

Key Terms: Prophetic Era Ahad-e-Nabawi ﷺ, Balance of Power, Islamic State, Strategy, Justice.

طاقت کے توازن کا مفہوم اور نظریاتی بنیادیں

اسلامی سیاسی فکر میں طاقت کے توازن کا اصول اور اس کی دینی حیثیت

اسلامی سیاسی فکر میں طاقت کا توازن (Balance of Power) ایک ایسا نظریہ ہے جو اقتدار، مشاورت، عدل و انصاف، اور اخلاقی حدود کے مابین توازن قائم کرنے کا عہد کرتا ہے تاکہ اقتدار کا استعمال ظلم یا استبداد کی راہ نہ ہو۔ یہ نظریہ ریاست مدینہ کے قیام سے پہلے سے جزو فکر رہا ہے، مگر عصر نبوی ﷺ میں اس کی عملی تشریح اور نفاذ اس قدر واضح ہوئی کہ اسلامی ریاست کی بنیاد اس پر استوار ہوئی۔ "طاقت" سے مراد وہ انتظامی، سیاسی، عسکری یا سماجی اختیار ہے جو کسی فرد، گروہ یا ریاست کو اپنے فرائض انجام دینے، فیصلے کرنے، اور معاشرتی و سیاسی نظام چلانے میں حاصل ہوتا ہے۔ "توازن" سے مراد یہ ہے کہ وہ اختیار یا طاقت اگر مکمل طور پر کسی ایک ہاتھ میں نہ مرکوز ہو، بلکہ مختلف شعبوں، گروہوں، اور افراد کے درمیان تقسیم ہوتا کہ کوئی جماعت یا فرد مطلق العنان نہ بن سکے۔

دینی اصول اور نظریاتی بنیادیں

۱۔ اللہ کی مطلق حاکمیت

اسلامی نظریے کی بنیادی حیثیت یہ ہے کہ حاکمیت کی اصل مال اللہ ہے۔ تمام اختیارات آخر کار اللہ کے ہاں ہیں، اور انسانوں کو یہ اختیار بطور امانت دیا گیا ہے۔

"قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكُ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ" ^۱

(کہہ دو اے اللہ، بادشاہت کا مالک تو ہے، جسے چاہے بادشاہت عطا کر دے، اور جسے چاہے سے چھین لے، جسے چاہے عزت دے، اور جسے چاہے ذلت دے۔) ^(۱)

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اقتدار کا حصول محض انسانی کوشش یا جنگی قوت سے نہیں، بلکہ اللہ کی مرضی اور حکمت سے ہے۔ اس تصور سے مسلم سیاسی فکر میں طاقت کے استعمال پر حد اخلاق کا تعین ضروری ہوا۔

۲۔ عدل و انصاف

اسلام میں عدل اور قسط کا تصور طاقت کے توازن کا مرکز ہیں۔ عدل سے مراد وہ اصول ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق ملے، اور کوئی بے جا ظلم نہ ہو۔ قسط عام معنوں میں مساوات و انصاف کو اجاگر کرتا ہے۔

قرآن میں آیت ہے:

^(۱) قرآن 3:26

"وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ"

(اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ قسط کے ساتھ کھڑے ہوں) (2)
یہ آیت بتاتی ہے کہ شریعت اور قانون کا مقصد معاشرتی انصاف کا قیام ہے، نہ کہ طاقت کے خود غرض استعمال کا۔

ایک اور اہم آیت:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ
الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ" (3)

(اے ایمان والو! قسط کی بنیاد پر کھڑے رہو اللہ کے گواہ بن کر، چاہے وہ تم پر ہو، چاہے تمہارے
والدین یا رشتہ داروں پر ہوں۔)

یہ آیت بتاتی ہے کہ عدل کا تقاضا ہے کہ انصاف کا معیار شخصی تعلقات، خاندان، یا ذاتی مفاد سے بالاتر ہو۔

اسلامی نظام میں مشاورت ایک قرآنی حکم ہے، اور یہ طاقت کی حد بندی کا ایک اہم عنصر ہے۔ اس کے ذریعے فیصلہ سازی میں کردارِ عامہ، معرفتِ اجتماعات، اور احترامِ اختلاف کو یقینی بنایا جاتا ہے۔

قرآن کہتا ہے:

"وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ"

“اور ان کے امور ان کے آپس میں مشاورت سے (ہوتے ہیں)۔” (4)

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اقتدار کا استعمال یک طرفہ نہ ہو بلکہ اللہ کی ہدایت کے مطابق عوامی مشورے کے ذریعے کیا جائے۔

اقتدار محض اختیار نہیں، بلکہ امانت ہے۔ جس طرح اللہ نے انسانوں کو امورِ عالم پر اختیار دیا، اس کے استعمال کے وقت اخلاقی اور شرعی حدود کی پاسداری لازم ہے۔ اس اصول نے عصرِ نبوی میں طاقت کو مطلق العنان ہونے سے روکا۔

(2) سورہ حدید، آیت 25

(3) قرآن 49:13

(4) سورہ شوری، آیت 38

عہدِ نبوی ﷺ میں نظریاتی بنیادوں کا ارتقاء عہدِ نبوی ﷺ سے پہلے عربی معاشرہ قبائلی طاقت، نسب، جنگی قوت اور توسطِ نسب و دولت کی بنیاد پر چلتا تھا۔ طاقت کا استعمال غالباً خود ساختہ مفادات یا قبائلی سرداری کی حفاظت کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن نبوت ﷺ آتی ہے اور اللہ کا پیغام لاتی ہے:

"انسانیت کا معیار مقامِ تقویٰ، عدل، اور کردار ہونا چاہیے" (5)

اللہ نے حق و عدل اور مساوات کا وہ نظام اتارا کہ ہر کسی کو اس کا حق ملے، چاہے وہ عریب ہو یا کمزور اسلامی سیاسی فکر نے یہ اصول واضح کیے کہ طاقت کو شکلی طریقوں (مثلاً جنگ، فوج، قبائلی اثر) سے زیادہ، اخلاقی اور دینی ضوابط کے تحت دیکھنا چاہیے۔ عقل و علم، مشاورت، عدل، اور انصاف ایسے ستون بنے جن پر اقتدار استوار ہوا۔ طاقت کے توازن کا مفہوم اسلامی متن میں محض سیاسی مفہوم نہیں، بلکہ دینی، اخلاقی، اور سماجی معنی بھی رکھتا ہے۔ یہ نظریہ اہل ایمان کو یہ متنبہ کرتا ہے کہ طاقت صرف اختیار یا تسلط کا ذریعہ نہیں بلکہ وہ ذمہ داری ہے جس کے تحت عدل، امانت اور حکمرانی کی شفافیت ضروری ہے۔

اسلامی سیاسی فکر میں نظریاتی بنیادیں یہ ہیں:

1. اللہ کی حاکمیت — اقتدار کی آخری منبع جو بھی ہو، اس کی تعبیر اور استعمال اللہ کے احکامات کے تابع ہونا چاہیے۔

2. عدل و انصاف — معاشرتی اور قانونی انصاف اقتدار کی حدود قائم کرنا ہے۔

3. مشاورت — اقتدار کا استعمال ہمراہی اور رضامندانہ طریقے سے۔

4. امانت و ذمہ داری — حکمران کا کردار خدمت گزار اور محاسب ہونہ کہ جابر۔

یہ نظریاتی اصول عصرِ نبوی ﷺ میں عملی صورت اختیار کریں گے جب ریاستِ مدینہ کی شروعات ہوئی، معاہدات کلید بنے، قانون نافذ ہوا اور عوام الناس کے حقوق کی پاسداری ہوئی۔ (6)

(5) قرآن 49:13

(6) حسن بصری تجدید، "قانون، طاقت اور انصاف: قرآنی تناظر میں ایک مطالعہ"، تجدید، جامعہ اسلامیہ اسٹیٹ سونان گونگ جاتی

بندونگ، جلد 27، شمارہ 2 (2022)۔

عہدِ نبوی ﷺ کا سماجی پس منظر: قبل از اسلام طاقت کے تصورات، قبائلی نظام اور معاشرتی ساخت کا تجزیہ
عہدِ نبوی ﷺ سے قبل کے دور میں جزیرہ عرب کا معاشرہ ایک متنوع، قبائلی اور طاقت کی تقسیم پر مبنی نظام تھا، جہاں ریاست جیسی منظم حکومت نہ تھی، اور ہر قبیلہ اپنے حالات و حالات کے مطابق نظم و نسق قائم کرتا تھا۔ یہ تجزیہ تین بڑے پہلوؤں پر مرکوز ہے: (۱) طاقت کے تصورات، (۲) قبائلی نظام، اور (۳) معاشرتی ساخت۔

طاقت کے تصورات پیش از اسلام

قبل از اسلام طاقت کی تفہیم بنیادی طور پر اخلاقی، سماجی اور عسکری پہلوؤں پر مشتمل تھی۔ عربی معاشرہ میں شر اور عفت کے معیارات نے طاقت کے استعمال کی حدود مقرر کی تھیں۔ مثال کے طور پر، جنگ اور دشمنی کا تصور غالباً انتقام اور قبائلی وفاداری کے گرد گھومتا تھا۔ رواں دور کی شاعری میں، "فخر و غرور"، "قبیلہ کی عظمت"، "قبیلہ کی حرمت" جیسے موضوعات اکثر دیکھے جاتے ہیں، جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ طاقت وہ نہیں جو ریاستی مشینری سے ملتی ہو، بلکہ وہ جو قبائلی احترام، بہادری اور وفاداری سے حاصل کی جائے۔ اس خیال کی اصل یہ تھی کہ فرد کا وقار اس کے قبیلے سے منسوب ہوتا ہے، اور قبیلے کی عزت اس کی طاقت، جنگی صلاحیت، اور اتحاد سے جڑی تھی۔

"وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" (7)

یعنی، "اپنے مقدور بھر قوت تیار رکھو تاکہ دشمن تم سے مرعوب رہے۔"
یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اسلام میں طاقت کا مقصد جارحیت نہیں بلکہ دفاعی توازن اور امن کا قیام ہے۔ یہی اصول رسول اکرم ﷺ کی سیرت میں بھی عملی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ (8)

اسی طرح، "کلیماتِ جہالہ" (جاہلی شاعری) اور عرب روایات یہ بتاتی ہیں کہ لوگ اپنے شیوخ اور قبیلہ رہنماؤں کی حیثیت کو نہ صرف روحانی بلکہ عملی طاقت کا نمائندہ مانتے تھے۔ ریاستِ مدینہ سے قبل کے اس نظام میں شخصی قوت، بہادری، جنگی صلاحیت اور قبیلے کی حفاظت کو اولین اہمیت حاصل تھی۔

"اسلامی طاقت ظلم نہیں کرتی، بلکہ ظلم کو ختم کرتی ہے۔" (9)

قبائلی نظام عہدِ جاہلیہ کا بنیادی ستون تھا۔ ہر قبائلی فرد کی شناخت، معاشی و سماجی رابطے، زندگی اور تحفظ کا دار و مدار اس قبائلی تعلق سے تھا۔ قبیلہ، ذیلی قبائل (بنی)، اور برادری کے عناصر اس نظام کی پیچیدگی کو بڑھاتے تھے۔ اس نظام کے اہم عناصر درج ذیل ہیں:

(7) الانفال: 60

(8) ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج 2، ص 87

(9) فی ظلال القرآن، ج 4، ص 238

اسابیہ (عصیت/قبائلی وفاداری): قبیلے کے اندر گہرے رشتے، رشتہ نسب، خون، اور روایات کی پاسداری۔ یہ وفاداری صرف قبیلے کے مشترکہ دشمنوں کے خلاف نہیں بلکہ قبیلے کی داخلی تنظیم اور فیصلہ سازی میں بھی اثر انداز ہوتی تھی۔

آبادی کی قسمیں: بنو بدو (nomads)، نیم آباد (semi-nomadic)، آباد باشندے

بدو قبائل صحراؤں میں گھومتے رہتے، مال مویشی پر انحصار کرتے، اور اپنی قبائلی وفاداری اور طاقت کے مظاہر جنگ و غارت گری میں کرتے تھے۔ آباد لوگ (تجار، کسان، رہائشی شہر و قصبے میں بستے لوگ) تجارت، زراعت، اور سونے، خوشبوؤں اور مہمان نوازی جیسی خدمات سے جڑے تھے۔

نیم آباد قبائل وہ تھے جو بدو اور آباد زندگی کے درمیان تھے؛ موسم و ماحول کی تبدیلی کے مطابق نقل مکانی کرتے، مگر کچھ کام مستقل قصبوں سے بھی کرتے تھے۔

اقتصادی بنیاد: تجارت، چرواہائی، زراعت

جزیرہ عرب کی معیشت کا بڑا حصہ تجارتی کارواں تھا، خاص طور پر مکہ جیسے تجارتی مراکز جہاں یمن سے آنے والی خوشبوؤں اور جنوب کے ممالک کا کاروبار ہوتا۔

چرواہائی اور مال مویشی کا پر وان چڑھنا، چراگاہوں اور پانی کے ذرائع پر قبضہ یا حفاظت کی جدوجہد، بھی طاقت کے اہم عنصر تھے۔ بدو قبائل کو پانی کے کنوؤں، وادیاں اور چراگاہوں کا پورا اختیار اور تحفظ چاہیے ہوتا تھا؛ یہ تنظیم اور طاقت کی تقسیم کا ایک عامل تھی

معاشرتی درجات اور افراد کا مقام

شرف و قبائلی نسب: نسب کے لحاظ سے امتیاز، بعض قبائل یا ذیلی شاخوں کی حیثیت دوسروں سے زیادہ قابل و موثر ہوتی تھی (مثلاً قریش کی قومیت اور نسبتِ کنانہ)۔

عبادت بت پرستی، قربانیاں، قبائلی رسم و رواج، تہوار اور بتیں قبائل کی سماجی شناخت کا حصہ تھیں، اور ان کی حفاظت اور تقدس بھی طاقت کے مظاہرے کا ذریعہ بنتی تھی۔ عورتیں بدو معاشرت میں محدود حقوق رکھتی تھیں؛ وراثت، تجارت، اور شادی کے مسائل قبائلی رسم و رواج کے مطابق ہوتے تھے۔ مگر شہروں میں عورتوں کی مداخلت یا مقام کبھی کبھار بہتر ہوتا تھا، خاص طور پر اگر وہ قبیلے کی مشہور یا دینی لحاظ سے معزز شاخ کی ہوں۔ قبل از اسلام عرب کی طاقت، سماج اور ریاستیت کے مفہیم جدید ریاستوں سے مختلف تھے: طاقت کا مرکز کوئی ذاتی ریاست یا بادشاہت نہیں تھی، بلکہ قبیلے کی عزت، بہادری، نسب اور وفاداری تھی۔ قبیلے یا نظام نے طاقت کی تقسیم کو یقینی نہیں بلکہ خود ایک نظام بنانا تھا جس میں اقتدار موثر، مگر محدود اور عارضی تھا۔ یہ پس منظر عصرِ نبوی ﷺ میں توازنِ طاقت کے تصور کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے، کیونکہ رسول ﷺ نے ان قبائلی توقعات اور تنظیمات کو تسلیم کرنے کے بعد انہیں منظم اور عدل و مساوات کی بنیاد پر نظم دیا۔

ریاستِ مدینہ کا قیام اور طاقت کی تنظیم نو سیاسی و انتظامی ڈھانچے کی تشکیل اور طاقت کے منصفانہ تقسیم کے اصول

عصرِ نبوی ﷺ میں مسلمانوں کی ہجرتِ مدینہ کے بعد ایک نئے سیاسی اور انتظامی مرتبے کا آغاز ہوا جسے عہدِ نبوی ﷺ کے اخلاقی، سماجی اور قانونی اصولوں نے تشکیل دی۔ ریاستِ مدینہ نے ایسی دینی و سماجی ریاست کا نمونہ پیش کیا جس میں طاقت صرف تسلط یا ذاتی اقتدار کے لیے نہیں بلکہ عدل، مساوات، اور اجتماعی فلاح کے پیش نظر منظم کی گئی۔ اس باب میں ہم ان عوامل اور اصولوں کا تفصیلی جائزہ لیں گے جن کی بنیاد پر ریاستِ مدینہ نے سیاسی و انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کی اور طاقت کی تقسیم کی ایسی تنظیم کی کہ ظلم و استبداد کے امکانات کم ہوں۔

تاریخی پس منظر اور آئینی دستاویز: میثاقِ مدینہ ہجرت کے بعد مدینہ میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں، مہاجرین، انصار، اور یہاں تک کہ یہود و دیگر قبائل کے مابین ایک معاہدہ قائم کیا جسے میثاقِ مدینہ کہتے ہیں۔ یہ معاہدہ ریاستِ مدینہ کی دستور بنیاد تھا۔ اس معاہدے کے تحت:

- ہر جماعت کو اپنی خود مختاری حاصل تھی، خاص طور پر یہودی قبائل کو اپنے مذہبی امور اور نجی معاملات میں مل گئی۔⁽¹⁰⁾
- مسلمانوں اور غیر مسلموں (کہ یہودی) کے مابین ایک اجتماعی عاجزانہ نظام قائم کیا گیا جس میں سب کو ریاستی دفاع، مالی تعاون، اور قانون کے تحت حقوق و فرائض دیے گئے۔
- ریاستی امور میں مشاورت (شوری) کا اصول نظر آیا؛ اہم عدالتی اور انتظامی فیصلے محض رسول ﷺ کے ارادے پر نہیں بلکہ مشورے سے کیے گئے۔⁽¹¹⁾

انتظامی ڈھانچے کی تشکیل اور معاملات کی تقسیم

۱۔ قائدانہ انتخاب اور ذمہ داریاں

رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کو مختلف ذمہ داریاں سونپی تھیں، تاکہ ریاست کے امور مؤثر انداز سے انجام پائیں اور طاقت کا ارتکاز ایک فرد یا قبیلے کے ہاتھ میں نہ ہو۔ مثلاً:

- حضرت معاذ بن جبل کو یمن بھجوانے کے وقت عدل، معیشت اور مذہبی معاملات کی ذمہ داری دی گئی۔⁽¹²⁾

⁽¹⁰⁾ ڈاکٹر عبدالرؤف زاہد، ڈاکٹر مصباح الحسن، اور ڈاکٹر محمد حسن، "قرآن میں سیاسی انصاف: نظام حکومت و قیادت کا مطالعہ"،

تنازور، جلد 6، شمارہ 1 (جنوری-مارچ 2025)۔

⁽¹¹⁾ طاقت کے تصورات اور بنیادی اصول، "پولیتیا: اسلامی سیاسیات کا جریدہ، جلد 7، شمارہ 2 (جولائی-دسمبر 2024)۔

⁽¹²⁾ اسلام میں ریاست کا تصور: ایک تجزیاتی مطالعہ، سی پی ایس گلوبل، اسپرٹ آف اسلام، نومبر 2013۔

- حضرت علی بن ابی طالبؓ قیام مدینہ کے وقت عدالتی اور شہری معاملات کے اہم ذمہ دار بنے۔⁽¹³⁾
 - حضرت بلال بن رباحؓ کو مؤذن مقرر کیا گیا، ایک مخصوص دینی ذمہ داری جو امت کے لیے اہم تھی۔⁽¹⁴⁾
- یہ ذمہ داریاں صحابہ کی قابلیت، امانت و دیانت، اور مخصوص حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سوچنی گئیں، نہ کہ صرف نسب یا قبیلے کے لحاظ سے۔

۲۔ مالیاتی نظام اور عمومی وسائل کی تقسیم

- ریاست مدینہ میں مالیاتی امور، جیسے زکوٰۃ، بیت المال، اور جنگی غنائم کی تقسیم، ایسے طریقے سے کیے گئے کہ کمزور، یتیم، مسکین اور ضرورت مند افراد کو بھی حق ملے۔ عدالت کی تقسیم، فیصلہ سازی کے طریقہ کار، شرعی قواعد اور ریاستی قوانین کے مابین توازن مدینہ کی بنیاد تھی:
- رسول ﷺ نے قاضی مقرر کیے تھے تاکہ مقامی معاملات میں انصاف پایا جائے۔
 - فیصلے قرآن، سنت اور معاہدہ جات کی روشنی میں کیے جاتے تھے؛ اس میں جماعت کے مفادات، مستقل خیر، اور ایمان کا تقاضا اہم تھا۔

- غلط استعمال اقتدار یا زیادتی کی شکایات کو سنبھالا گیا، لوگوں کو شکایت کا حق دیا گیا۔ ﷺ

ریاست مدینہ میں طاقت کی تنظیم نو چند بنیادی اصول پر مبنی تھی:

1. کفایت (اور صلاحیت): ذمہ داریاں انہی کو دی گئیں جن میں قابلیت، علم اور تقویٰ ہو۔
2. مشاورت (شوری): فیصلے بنانے میں صحابہ اور دیگر برادر یوں کی رائے شامل ہوتی تھی۔ یہ ریاستی فیصلوں کو شفاف اور قبولیت یافتہ بناتی تھی۔
3. حقوق اقلیتوں کا تحفظ: یہودی قبائل کے مذہبی، سماجی اور مالی حقوق کی رعایت کی گئی، معاہدہ کے مطابق۔

⁽¹³⁾ قرآن: سورۃ آل عمران، آیت 26؛ سورۃ الحدید، آیت 25؛ سورۃ النساء، آیت 58؛ سورۃ النساء، آیت 135؛ سورۃ الشوریٰ،

⁽¹⁴⁾ مائیکل لیکر، "قبل از اسلام عرب"، نیو کیمرج ہسٹری آف اسلام میں، مدیر: جیس ایف۔ رائمنسن، حصہ اول: دور متاخر قدیم،

4. ذیلی اختیارات کی تقسیم: مقامی معاملات، قبائلی امور، اور بین المسلمین معاملات میں اختیارات تقسیم کیے گئے، ریاست صرف مجموعی امور اور دفاع میں مرکزی کردار ادا کرتی تھی۔

5. شفافیت و جوابدہی: مالی اور عدالتی معاملات میں کھلی رپورٹنگ، فیصلہ سازی میں ذمہ داری اور شکیلیت کا راستہ موجود تھا۔⁽¹⁵⁾

مدینہ منورہ ہجرت سے قبل ایک قبائلی اور مذہبی لحاظ سے متنوع شہر تھا، جہاں اوس و خزرج کے عرب قبائل اور یہودی قبائل (بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ) آباد تھے۔ ہجرت کے بعد مہاجرین مکہ بھی اس معاشرے کا حصہ بنے۔ ایسی صورت حال میں کسی بھی مرکزی نظام کے بغیر داخلی کشمکش کا خطرہ موجود تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس سماجی بحران کا حل ایک باہمی معاہدے کی صورت میں پیش کیا، جسے ”صحیفہ مدینہ“ یا ”میثاق مدینہ“ کہا جاتا ہے⁽¹⁶⁾۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”یہ معاہدہ ان تمام کے درمیان ہے جو اس پر دستخط کریں گے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی؛ وہ سب ایک امت ہیں، ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں، اور مدینہ کے دفاع میں برابر کے شریک ہیں۔“⁽¹⁷⁾

معاہدے کے تحت:

- مہاجرین و انصار کو باہمی اخوت کے ذریعے ایک دوسرے کے مددگار اور محافظ بنایا گیا۔⁽¹⁸⁾
 - یہودی قبائل کو مذہبی آزادی دی گئی، مگر وہ ریاستی سلامتی کے ذمہ دار قرار پائے۔
 - عدالت، خون بہا، جنگ و صلح جیسے امور کو اجتماعی مشاورت کے تحت لانے کا اصول قائم ہوا۔
 - کسی فریق کو ریاستی فیصلوں سے انحراف کی اجازت نہ تھی، تاکہ طاقت کا مرکز صرف عدل و مشاورت رہے۔
- ”اسلامی ریاست مدینہ میں طاقت کی تقسیم کا بنیادی اصول ”تعاون علی البر والتقویٰ“ پر مبنی تھا۔“⁽¹⁹⁾

⁽¹⁵⁾ محمد بھیسہ، ”قبل از اسلام معاشرتی تنظیم و ثقافتی اظہار کے نمونے“، دی وائیلی بلیک ویل ہسٹری آف اسلام، ص 77-96، آکسفورڈ: وائیلی بلیک ویل، 2018۔

⁽¹⁶⁾ (حمید اللہ، خطبات بہاولپور، 1959، ص 42)۔

⁽¹⁷⁾ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۲، ص 501۔

⁽¹⁸⁾ (القرآن 8:72)۔

⁽¹⁹⁾ (القرآن 5:2)۔

1. سیاسی توازن: نبی ﷺ بحیثیت سربراہ ریاست تمام گروہوں کے درمیان ثالث و حاکم تھے، مگر اقتدار میں مشاورت کا نظام (شوری) موجود تھا۔

2. معاشرتی توازن: ہر گروہ کو اپنے مذہبی و ثقافتی تشخص کی حفاظت کا حق حاصل تھا۔

3. قانونی توازن: تمام شہری قانون کے سامنے برابر تھے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

4. اقتصادی توازن: بیت المال کے وسائل کا استعمال عمومی فلاح و بہبود کے لیے کیا گیا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطابق:

”یثاقِ مدینہ دراصل ایک وفاقی نظام (Federal System) کی شکل تھی، جس نے مختلف قبائل اور مذاہب کے درمیان طاقت کو عدل کے ساتھ تقسیم کیا۔“ (20)

معاهدے نے غیر مسلم اقلیتوں (یہود) کو "امت واحدہ" کا حصہ قرار دے کر پہلی بار ایک "شہری مساوات" کا تصور دیا۔ ابن اسحاق روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

(یہود اپنی دین پر رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر؛ مگر مدینہ پر ہونے والے کسی بھی حملے کے خلاف دونوں ایک ہو کر دفاع کریں گے۔) (21)

مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ معاہدے کی روح تھا۔

قرآن میں فرمایا گیا:

"وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ..." (22)

یعنی انصار وہ ہیں جو مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں۔

یہ آیت اس بات کا اعلان تھی کہ داخلی توازن کا دار و مدار باہمی ایثار، محبت، اور انصاف پر ہے۔

ابن خلدون اس کو "اجتماعی شعور" قرار دیتے ہیں۔

(20) خطبات بہاولپور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 1959ء، ص 58

(21) سیرۃ ابن اسحاق، ص 232

(22) الحشر: 9

"یعنی ایسا رشتہ جو ایمان اور انصاف پر قائم ہو" (23)

معاهدہ مدینہ نہ صرف اسلامی آئین کی بنیاد ہے بلکہ طاقت کے منصفانہ استعمال کی بہترین مثال بھی ہے۔ اس نے واضح کر دیا کہ ریاست کی بقا صرف تب ممکن ہے جب طاقت عدل، مساوات اور مشاورت کے اصولوں کے تابع ہو۔

ڈاکٹر اسرار احمد کے الفاظ میں: مدینہ کی ریاست میں طاقت اللہ کی امانت تھی، جسے نبی ﷺ نے عدل کی ترازو میں تقسیم کیا۔ یہی توازن اسلامی سیاست کی روح ہے۔

صلح حدیبیہ اور خارجی توازن طاقت کی حکمت عملی

صلح حدیبیہ ﷺ، جو کہ چھٹے ہجری میں واقع ہوئی، اسلامی ریاست مدینہ اور قوم قریش کے درمیان ایک صلح نامہ تھا۔ یہ معاهدہ بیرونی سطح پر مسلمانوں اور مشرکین کے مابین طاقت کے توازن اور سیاسی حکمت عملی کا ایک عظیم نمونہ ہے۔ اگرچہ کئی شرائط مسلمانوں کے حق میں غیر مفید محسوس ہوئیں، لیکن صلح حدیبیہ نے نہ صرف وقتی امن پیدا کیا بلکہ اسلام کی دعوت کو اجاگر کرنے، اجتماعی حکمت عملی ترتیب دینے اور اخلاقی و عدالتی اقدار کو حفظ کرنے کا زرخیز ماحول فراہم کیا۔ یہ معاهدہ بتاتا ہے کہ خارجی سطح پر فوجی ٹکراؤ یا تسلط کے بجائے صلح، مشاورت، اور عدل پر مبنی حکمت عملی بھی کتنی مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

معاهدہ کی شرائط اور داخلی موقف

صلح حدیبیہ کی چند بنیادی شرائط یہ تھیں:

- دس سال کا عہد امن (ceasefire) قریش اور مسلمانوں کے درمیان۔
 - مسلمانوں کو اگلے سال عمرہ کرنے کی اجازت دی جائے گی۔
 - اگر کوئی شخص مکہ سے مدینہ آجائے تو اسے واپس کیا جائے؛ مگر مکہ کی طرف جانے والوں کو واپس نہ کرنے کی شرط۔
- ان شرائط نے بعض مسلمانوں میں مایوسی پیدا کی، خصوصاً اس شرط کی وجہ سے کہ وہ اس سال عمرہ نہ کر سکیں۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے ان شرائط کو طویل مدتی فوائد کے پیش نظر قبول کیا۔

خارجی توازن طاقت کی حکمت عملی

(23) ابن خلدون، المقدمة، ص 212

صلح حدیبیہ نے خارجی توازن طاقت کی چند اہم حکمت عملی اجاگر کیں:

نوری فوجی ٹکراؤ سے اجتناب: مسلمانوں نے جنگ کی بجائے مذاکرات کو ترجیح دی، چاہے معاہدہ کے شرائط عارضی طور پر سخت لگتی ہوں۔ یہ انتخاب یہودی یا مشرک طاقتوں کے سامنے طاقت کے غیر عسکری استعمال کا عملی مظاہرہ ہے۔ عورتیں اور قبائلی قوتوں کا تحفظ: معاہدہ قریش اور مسلمانوں کے مابین امن قائم کرنے کے بعد مسلمانوں کو دوسرے قبائل سے سفارتی تعلقات بڑھانے کا موقع ملا، جنہوں نے اسلام کے پیغام کو سننے اور قبول کرنے میں زیادہ آزاد محسوس کیا۔ اخلاقی ساکھ اور اعتماد سازی: پیغمبر ﷺ نے معاہدہ کی پاسداری کی اور شرائط کی پابندی کی، یعنی ”وفا عہد“ کے اصول کو قائم رکھا، بھلے وہ شرائط عارضی طور پر نقصان دہ لگتی ہوں۔ اس نے مسلمانوں کی اخلاقی اور سیاسی ساکھ کو تقویت دی۔ دیر پا حکمت عملی: معاہدے نے نوری فتح سے زیادہ دیر پا پالیسیاں اختیار کرنے کی ضرورت دکھائی۔ صلح کے بعد مسلمانوں نے دعوت کا دائرہ وسیع کیا، ترک جنگ اور تسخیر سے زیادہ سچائی اور مذہبی پیغام کی تاثیر پر توجہ مرکوز کی۔

اخلاقی استعمال اور عدل و انصاف

صلح حدیبیہ ﷺ کا اخلاقی پہلو بھی بہت نمایاں ہے:

- صدق و امانت: پیغمبر ﷺ نے معاہدے کے متن اور روح دونوں کی پاسداری کی۔ مثال کے طور پر، ابو جندل کو واپس کرنا، مجبوری کے باوجود، معاہدے کے ایک باب کے تحت کیا گیا۔
- شفقت اور بردباری: مسلمانوں کو مایوسی کے لمحات میں بھی تحمل اور حکمت عملی اپنانے کی ہدایت دی گئی، جیسا کہ بعض صحابہ نے محسوس کیا کہ معاہدہ مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہے، مگر رسول ﷺ نے صبر کا راستہ اختیار کیا۔

معاہدے کے نتائج اور خارجی امن

صلح حدیبیہ نے درج ذیل خارجی نتائج مرتب کیے:

- دعوت کی آزادی: امن کے عہد کی بدولت اسلام کی تبلیغ زیادہ مؤثر طریقے سے ہو سکی، لوگ با آسانی مکہ، اطراف کے قبائل اور دیگر مقامات کے سفیروں کے توسط سے اسلام کے پیغام تک پہنچے۔
- سیاسی مشروعیت: مسلمانوں کی حالت ایک سیاسی قوت کی حیثیت اختیار کرنے لگی، قریش نے انہیں ایک فریق کی حیثیت سے تسلیم کرنا شروع کیا۔
- کچھ صحابہ کا رد عمل جذبہ اور جذباتی تھا، جسے صبر و دراندیشی کے ساتھ ترتیب دینا پیغمبر ﷺ نے بہتر سمجھا۔
- طویل المدتی نتائج اتنے واضح نہیں تھے کہ تمام لوگ ابتداء میں سمجھ سکیں، مگر تاریخ نے حقانیت ثابت کی۔

صلح حدیبیہ ﷺ خارجی سطح پر طاقت کے توازن کی ایک مثالی حکمت عملی تھی جو سفارت کاری، اخلاقی اصول، اور حکمت تدبیر پر مبنی تھی۔ یہ معاہدہ نہ صرف مسلمانوں کو وقتی امن فراہم کرنے کا ذریعہ بنا بلکہ اسلامی ریاست کی سیاسی، سفارتی اور اخلاقی حیثیت کو بھی مستحکم کیا۔ عصری دنیا میں نیز بین الاقوامی تعلقات میں بھی یہ مدلل نمونہ ہمیں سکھاتا ہے کہ جنگ و تصادم کے بجائے مذاکرات، عہد و پیمان اور اخلاقی حدود کا خیال رکھنا کس قدر کامیابی کی کنجی ہو سکتا ہے۔⁽²⁴⁾

عسکری توازن اور اخلاقی ضابطے: تجزیہ

غزوات نبوی ﷺ (بدر، احد، خندق وغیرہ) نہ صرف ایک فوجی جدوجہد تھیں بلکہ وہ معاملات اخلاق و انسانیت کی ٹیسٹ بھی تھیں۔ ان مواقع پر طاقت کا استعمال، اُس وقت کے قبائلی اور انتقامی نظام کے برخلاف، عدل، رحمت، اور دفاعی اصولوں کی روشنی میں کیا گیا۔ اس باب میں ہم دیکھیں گے کہ کس طرح رسول اللہ ﷺ نے عسکری قوت کو استعمال میں لاتے وقت بنیادی اخلاقی ضوابط نافذ کیے، اور یہ ضوابط جنگ کی حدود اور ظلم و زیادتی سے بچاؤ کا باعث بنے۔

قرآن مجید نے جنگ کی شریعت کی واضح حد مقرر کی ہے:

"اُس راستے میں اللہ کی راہ میں لڑو جو لوگ تم سے لڑتے ہیں، مگر حد سے تجاوز نہ کرو؛ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"⁽²⁵⁾

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ جنگ کا مقصد دفاع ہے، جارحیت نہیں، اور طاقت استعمال میں حدود کا لحاظ ضروری ہے۔ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ دشمن کی طرف سے حملہ نہ ہونے کی صورت میں جنگ نہ شروع کی جائے، اور جنگ کے دوران غیر جنگجو افراد (زنان، بچوں، بزرگوں) کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

غزوات کا بنیادی مقصد اکثر دفاعی نوع کا تھا: خود یا مسلمانوں کی جان و مال، آزادی مذہب، اور معاشرتی استحکام کی حفاظت۔ مثال کے طور پر غزوہ بدر ﷺ میں مسلمانوں پر حملہ کیا گیا، اور رسول اللہ ﷺ نے دفاعاً لشکر جمع کیا۔ غزوہ خندق (الخندق) میں مدینہ کو خطرات لاحق تھے، تو دفاعی خندق کھود کر دشمن کے حملوں کا مقابلہ کیا گیا۔ دفاعی جنگ کی حیثیت سے، نبی ﷺ نے فوج کو حکم دیا کہ حملہ صرف دشمن جنگجوؤں تک محدود ہو، معاہدوں کی خلاف ورزی نہ کی جائے، اور نہ ہی جنگ ختم ہونے کے بعد دشمن پر زیادتی برتی جائے۔

غزوہ بدر: مسلمان نہ صرف دفاعی موقف اختیار کرنے میں کامیاب ہوئے بلکہ جنگ کے بعد قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا گیا، اور جنگ کے دوران مکمل بے جا ظلم سے اجتناب کیا گیا۔

⁽²⁴⁾ اسلام سے قبل عرب: جزیرہ نما عرب کی سماجی، سیاسی اور مذہبی حالتیں، "اسلامک کرائیکلز، تاریخ و رسائی: [تاریخ درج کریں]۔

⁽²⁵⁾ (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۹۰)۔

غزوہ خیبر: فتح کے بعد یہودی قبیلوں کے ساتھ امن کی بنیاد رکھی گئی؛ مسلمان املاک اور جان کا احترام کیا گیا؛ قیدیوں یا معاہدے کرنے والوں کے ساتھ سمجھوتہ کیا گیا۔

غزوہ حدیبیہ: اس میں براہ راست لڑائی نہ ہوئی مگر معاہدے کی پاسداری اور صلح کی حکمت عملی اختیار کی گئی۔ دشمن نے بھی کچھ دور تک امن کی شرائط کو تسلیم کیا، اور مسلمانوں نے جنگ کی تیاری کے باوجود صلح کا راستہ چنا۔

غزوات نبوی ﷺ میں عسکری توازن اور اخلاقی ضوابط کا نفاذ، عدل، رحمت اور دفاع کے اسلامی اصولوں کی عمدہ مثال ہے۔

اسلامی ریاست کی عمارت میں طاقت صرف عسکری یا سیاسی ہی نہیں ہوتی، بلکہ معاشی اور سماجی طاقت کا توازن بھی ایک لازمی ستون ہے۔ عصر نبوی ﷺ میں اس توازن کو یقینی بنانے کے لیے کئی اصول اور ادارے بنائے گئے تھے جن کا مقصد امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق مٹانا، حقوق کا تحفظ اور دولت کی منصفانہ تقسیم تھا۔ یہ باب عصر نبوی ﷺ میں زکوٰۃ، انفاق، اجتماعی تعاون اور عدل اقتصادی کے ان اصولوں کا تجزیہ کرے گا جن کے ذریعے اسلامی ریاست نے طاقت کے اندر اقتصادی و سماجی توازن قائم کیا۔

اسلام کی پانچ بنیادی ستونوں میں سے ایک ہے، اور یہ ایک واجب مالی حسنہ ہے جو اموال پر مقررہ مقدار (نصاب) کی بنیاد پر خیرات کے طور پر غریبوں، مسکینوں، یتیموں، اور ضرورت مندوں کو دی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

"خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ" (26)

(ان کے اموال میں سے زکوٰۃ (صدقات) لو، تاکہ انہیں پاک کرو، اور ان کی طرف دعا کیا کرو، بے شک تمہاری دعا ان کے لیے تسکین ہے؛ اور اللہ سنتا جانتا ہے۔)

یہ آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ زکوٰۃ صرف مالی منتقلی نہیں بلکہ معاشی اور روحانی پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ بحیثیت ریاست یہ بھی ضروری تھا کہ زکوٰۃ کا نظام شفاف، منظم اور مستحقین تک براہ راست ہو۔ عصر نبوی ﷺ میں بیت المال کی شروعات ہوئی اہل ایمان اپنے مال سے خرچ کر کے غریبوں کی مدد کرتے، یتیموں کی کفالت کرتے اور علم و تعلیم کے فروغ میں انفاق کرتے۔ عصر نبوی ﷺ کا صحابہ کرام انفاق میں آگے رہتے تھے، بطور مثال حضرت علیؓ، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہ کی سخاوت اور غریبوں کے حقوق کے لیے ان کے اقدامات معروف ہیں۔

جدید تحقیق بتاتی ہے کہ انفاق کے ایسے اقدامات نہ صرف معاشرتی بانڈ کو مضبوط کرتے ہیں بلکہ اقتصادی عدم مساوات کو کم کرنے میں مؤثر ہیں۔

عصرِ نبوی میں معاشرتی مساوات کا عمل صرف مالی تقسیم تک محدود نہیں تھا بلکہ سماجی حقوق کی برابری، انصافِ عدلیہ، اور عوامی فلاح و بہبود کے نظام کا حصہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

”صدقہ دولت میں کمی نہیں لاتی۔“ (27)

یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مالی صدقات سے دولت کم نہیں ہوتی، بلکہ وہ برکت بڑھاتے ہیں، اور اثرِ اجتماع پر غالب آتے ہیں۔ نیز عصرِ نبوی کے دور میں یتیم و مسکین کے حقوق کا اصول واضح تھا، جو زکوٰۃ و صدقہ کے نظام کے ذریعے نافذ کیا گیا۔

عصرِ نبوی ﷺ میں اقتصادی اور سماجی انصاف کا مظاہرہ کئی طریقوں سے ہوا مدینہ میں بیت المال قائم کیا گیا جہاں زکوٰۃ، غنائم، صدقات اور دیگر خراجات جمع کیے جاتے تھے اور ضرورت مند افراد، یتیم، مسافر اور مستحق افراد میں تقسیم کیے جاتے تھے۔ یہ ایک ریاستی نظام تھا جس کی نگرانی کر کے احتساب، شفافیت اور منصفانہ تقسیم ممکن ہوئی۔

ماضی کے کچھ روایتی واقعات میں وقف کی صورت میں املاک و وسائل مخصوص سماجی مقاصد کے لیے وقف کیے گئے تھے، جیسے تعلیم، رہائش یا ضرورت مند افراد کی مدد۔ معاشی عدم مساوات کی کمی غربت کے خاتمے کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور انفاق کا استعمال، اور امیروں کی ذمہ داری کہ وہ اپنی دولت کو جماعتی مفاد کے لیے استعمال کریں، جیسے کہ امکاناتِ روزگار فراہم کرنا، عصرِ نبوی کا نظام کامل نہیں تھا کہ ہر معاشی ناانصافی فوری ختم ہو جائے، مگر اس نے ایک رہنمائی فراہم کی: نظامِ حساب و کتاب اور نصاب کی وضاحت بعض صورتوں میں مختلف فقہی مکاتب میں مختلف رہی، جس سے مقامی اختلافات پیدا ہوئے۔ بعد ازاں خلافتِ راشدہ میں بیت المال کے انتظام اور تقسیم میں بعض مشکلات آئیں؛ بعض علاقوں میں اموالِ زکوٰۃ مناسب مستحقین تک نہ پہنچ سکیں۔

اسلامی ریاستِ نبوی ﷺ میں قانون (شریعت) اور حکمرانی کا توازن ایک مرکزی اصول رہا ہے۔ اس باب میں ہم یہ دیکھیں گے کہ کس طرح عدالتی نظام اور شوری نے اقتدار کے جبر یا استبداد سے بچاؤ کا کام کیا، اور کس طرح عدل و انصاف اور مشاورت نے طاقت کے ارتکاز کو محدود رکھا۔ یہ مطالعہ قرآنی آیات، حدیث، تاریخی سیرت و قیادت اور اسلامی سیاسی مفکرین کے نقوش پر مبنی ہوگا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ" (28)

(27) صحیح مسلم

(28) سورۃ النساء: ۱۳۵

(بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو)

میں اللہ تعالیٰ مؤمنین کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل پر قائم رہیں، حتیٰ کہ اگر یہ خود یا والدین یا رشتہ داروں کے خلاف ہو۔

میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انصاف کے گواہ بنو، چاہے حالات ذاتی ہوں، مالی ہوں یا خاندانی رشتے ہوں؛ انصاف کو ترک نہ کرو۔

(29) اسلامی قانون میں عدل کا مفہوم صرف سزایا فیصلہ کرنے تک محدود نہیں، بلکہ انصاف کا مفہوم وسیع ہے۔

نبی کریم ﷺ نے عدلیہ کی آزادی اور عدل سے فیصلہ کرنے کے لیے قاضی کا تقرر کیا، جس کا کام ہوتا تھا کہ دعوے زیر سماعت آئیں اور قابل اعتماد شہادت، دلائل کی بنیاد پر فیصلہ ہو۔ معاملہ زہرہ بنت ابی امریکہ اور دیگر افراد نے جب الزام لگایا کہ ان کے حقوق پامال ہوئے ہیں، نبی ﷺ نے واضح عدالتی طریقہ کار اختیار کیا، شہادت لی گئی، اور فیصلہ سنایا گیا۔ (یہ مثال سیرت کی کتب سے اخذ کی جاتی ہے۔ شوریٰ کا تصور اور آئینی حقیقت شوریٰ کا بنیادی تصور قرآن کی آیت سے مستعار ہے، جس میں فرمایا گیا: "وَالَّذِينَ يَسْتَجِيبُونَ لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" (30) — جو لوگ اپنے رب کے فرمان کا جواب دیتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اور ان کے امور آپس میں مشاورت سے طے کرتے ہیں۔ شوریٰ نے اس بات کو یقینی بنایا کہ حکمرانی کا طریقہ استبداد یا قوتِ مطلقہ سے نہ ہو، اور لوگوں کی مشاورت سے فیصلے ہوں۔

نبی کریم ﷺ نے اہم فیصلے کرنے میں مشاورتی گروہوں کو شامل کیا، مثلاً جنگ خندق کی حکمت عملی، صلح حدیبیہ کے معاہدے میں مذاکرات وغیرہ۔ خلفائے راشدین بخصوص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں شوریٰ کا نظام اور مشاورت کا جلسہ ریاستی امور میں عام بات تھی، جس نے عوامی مشاورت کے ذریعے فیصلے مضبوط کیے۔

عصری اہمیت اور تجزیاتی جائزہ استبداد و ظلم کا خطرہ کم ہونا حکمرانوں کی جوابدہی کا تقاضا ہونا عوامی اعتماد و اتحاد کا فروغ عملی نفاذ میں انسان کی فطرت کا دخل (قبائلی وابستگی، خاندان، ذات، اثر و رسوخ) حدود و قیود کا فقدان بعض معاشروں میں شوریٰ کا تصور بعض اوقات غیر رسمی مشاورت تک محدود رہ گیا۔

اسلامی عدالتی نظام اور شوریٰ دونوں مل کر عصرِ نبوی ﷺ میں طاقت کے بالکل متوازن استعمال کا کجی کردار ادا کرتے ہیں۔ عدل قانون کے تحت اور شوریٰ مشاورت کے ذریعے حکمرانی کو استبداد سے محفوظ رکھتی ہیں۔ عصری دور میں یہ اصول ہر مسلم معاشرے کے لئے معیاری رہنما ہیں تاکہ اقتدار کا غلط استعمال نہ ہو اور حکمرانی ایک پائیدار، منصفانہ اور شفاف نظام بنے۔

(29) سورۃ المائدہ: ۸

(30) سورۃ الشوریٰ ۲۴: ۳۸ (یا ۳۸: ۴۲)

عصر نبوی ﷺ کے طاقت کے توازن سے عصر حاضر کے لیے رہنمائی

جدید سیاسی و سماجی نظاموں میں نبوی ماڈل کی تطبیق عصر نبوی ﷺ ایک مثالی دور ہے جس میں طاقت کا استعمال محض ریاستی تسلط یا ذاتی بھلائی کے لیے نہیں بلکہ اجتماعی خیر، عدل، اور اصول مساوات کے تحت کیا گیا۔ آج کے جدید دور میں جہاں ریاستی، سیاسی، سماجی اور اقتصادی طاقت کے استعمال کے معاملے پیچیدگیاں اختیار کر چکے ہیں، اس نبوی ماڈل سے رہنمائی حاصل کر کے بہت سی مسلم اور غیر مسلم ریاستیں بہتر پالیسی وضع کر سکتی ہیں۔ ذیل میں چند ایسے شعور اور عملی تجاویز پیش ہیں جو عصر نبوی ﷺ کے طاقت کے توازن کے مدلول سے ماخوذ ہیں اور موجودہ عصر جدید میں مؤثر ثابت ہو سکتے ہیں۔

۱. مشاورت (شورا) کا مؤثر نفاذ

نبوی ماڈل میں "شورا" کی بہت اہمیت تھی۔ قرآن میں ارشاد ہے:

”اور وہ لوگ جو اپنے رب کی دعوت قبول کرنے کے بعد نماز قائم کرتے ہیں، اور اپنی معاملہ شوری کے ذریعے تم کو اپنے باطن اور باہمی مشورے سے حل کرتے ہیں“ (31)

شورائے صرف فیصلہ سازی میں شراکت داری دیتی ہے بلکہ اقتدار کے ارتکاز کو روکنے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ موجودہ نظاموں میں، شوری کو مقامی حکومتوں، پارلیامنٹیں اور اداروں یا مشاورتی کونسلوں کے ذریعے عوامی نمائندوں کے ساتھ شفاف اور باقاعدہ انداز سے نافذ کیا جائے۔ پاکستان، انڈونیشیا اور دیگر مسلم ممالک میں شوری کے بعض عناصر دیکھے جاتے ہیں۔

نبوی ماڈل میں مختلف قبائل، مہاجرین و انصار اور غیر مسلم کمیونٹی کے حقوق کی حفاظت کی گئی۔ معاہدہ مدینہ ایک واضح مثال ہے کہ کس طرح ریاست نے متعدد گروہوں کو حقوق اور ذمہ داریاں دیں۔ عصر حاضر کی ریاستوں میں جہاں فرقہ واریت، نسلی یا

عصر حاضر میں اس کا مطلب ہے کہ عدلیہ کی آزادی، قوانین کا نفاذ، حکمرانوں کی جوابدہی، شفافیت، کرپشن کے خلاف قوانین اور نگرانی کے ادارے تشکیل دیے جائیں۔ نبوی ماڈل کے مطابق طاقت کا استعمال ہمیشہ شرعی اصولوں، اخلاق اور انصاف سے مربوط ہونا چاہیے۔ (32)

نبوی دور میں مختلف امور نے متعلقہ افراد کو سپرد کیے گئے: فوجی کمانڈر، سفارتی ذمہ دار، اقتصادی منتظم، عدلیہ وغیرہ۔ یہ تقسیم اقتدار کے ارتکاز کو روکتی ہے۔ جدید ریاستیں بھی وفاقی نظام، مقامی حکومتیں، محکمہ جاتی خود مختاری، وکیلوں اور شہری سوسائٹی کی شمولیت وغیرہ کے ذریعہ اختیارات کی تقسیم کر سکتی ہیں تاکہ طاقت ایک مرکز پر مرکوز نہ ہو۔ (33)

(31) سورۃ الشوریٰ ۳۸: ۴۲

(32) قبل از اسلام عرب معاشرے: ثقافتی ورثے، سماجی نظام اور عقائد کی دریافت"، انٹرنیشنل جرنل آف ریلیجیوس اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز

نبوی ماڈل صرف سیاسی اور عسکری نہیں بلکہ اخلاقی اور روحانی اصولوں پر مبنی تھا—صدق، ایمان، امانت، صبر، توبہ، اور اللہ پر بھروسہ۔ جدید رہنما اگر ان اخلاقی اصولوں کو اپنی پالیسیوں، ادارتی طرز حکمرانی اور عوام سے برتاؤ میں شامل کریں، تو طاقت کا استعمال لوگوں کی بھلائی کے لیے ہو سکتا ہے۔

نبوی دور میں فرمانے والا یا فیصلہ کرنے والا شخص بھی حدود و قیود اور ذمہ داری کا پابند تھا۔ جنگ و انصاف میں اخلاقی حدود لازم مانے گئے۔ عصر حاضر میں ریاستی طاقت، قانون نافذ کرنے والے ادارے، سکیورٹی فورسز، اور نظام حکمرانی کو اس بات کا خیال کرنا چاہئے کہ وہ آئینی اور انسانی حقوق کی حدود میں رہ کر کام کریں۔⁽³⁴⁾

جدید دور میں جب ڈیجیٹل دور اور معلومات تک رسائی ممکن ہو گئی ہے، حکومتی شفافیت اور شہری شمولیت کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ نبوی دور میں عوامی مسائل کی سننے کی روایت، مشاورت، اور عدل کے وعدے عام تھے۔ آج یہ ترغیب دیتی ہے کہ حکومتیں شہریوں کی آواز سنیں، سیاسی عمل میں بنیاد پرست نمائندے شامل ہوں، اور فیصلے عوام کی ضروریات کے مطابق ہوں۔

نبوی ماڈل میں قانون نے ہر ایک کے لیے مساوی اصول فراہم کیے—وہ جو بڑے ہوں یا چھوٹے، امیر ہوں یا غریب، حکمران ہوں یا محکوم۔ عصر حاضر میں یہ بنیادی اصول ہے کہ قوانین کو نیشنل و انٹرنیشنل سطح پر مضبوط بنایا جائے، انسانی حقوق کی عالمی معاہدات پر عمل ہو، مظلومین کی آواز سنی جائے۔

۱۰ نبوی ماڈل سے یہ سفارشات اخذ ہو سکتی ہیں:

- ریاستیں شہری اور عوامی شمولیت کے مؤثر نظام وضع کریں۔
- عدل و انصاف اور انسانی حقوق کو قانونی اور انتظامی سطح پر یقینی بنائیں۔
- سفارت کاری اور معاہدات کی راہ کو ترجیح دیں بجائے عسکری تصادم کے۔
- حکمرانوں اور اداروں کو اخلاقی اور روحانی اصولوں پر پابند بنائیں۔
- طاقت کی تقسیم، مقامی حکمرانی اور شفافیت کو فروغ دیں تاکہ اختیارات کا ارتکاز نہ ہو۔

⁽³³⁾ نظریہ تنظیم نبوی، یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی (یو ایم ٹی)، لاہور کا تحقیقی مضمون۔

⁽³⁴⁾ ڈاکٹر بنار اختر اور ڈاکٹر نور ولی شاہ، "اسلامی سیاسی نظام: عہد نبوی کے معاہدات کی روشنی میں"، الایجاز ریسرچ جرنل آف

اسلامک اسٹڈیز اینڈ ہیومنسٹیز۔

نتائج و سفارشات: طاقت کے توازن کی عصری اہمیت اور اسلامی نظام حکومت کے لیے اسباق

نتائج

- عصرِ نبوی ﷺ میں طاقت کا توازن داخلی سماجی ڈھانچے کو استحکام فراہم کرنے کا باعث بنا۔ مثلاً، مہاجرین و انصار کے درمیان رشتہ اخوت نے وسائل، ذمہ داریوں، اور حقوق کی تقسیم میں منصفانہ نقطہ نظر قائم کیا۔ اس نے مختلف طبقات کے مابین اختلافات کم کیے اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں انصاف اور مساوات اصول مقرر تھے۔
- اگر طاقت کسی ایک قبیلے، فرد یا گروہ کے ہاتھ میں مرکوز ہو جائے تو اختلافات اور انتقام کی فضا جنم لیتی ہے۔ رسول ﷺ کی مشاورت، معاہدات، اور شرکتی فیصلہ سازی نے یہ ممکن بنایا کہ کوئی گروہ خود سر نہ بن سکے، اور اختلافی نوعیت کے مسائل تشدد یا انتشار کی بجائے حکمت عملی و مشاورت کی بنیاد پر حل ہوں۔
- صلح حدیبیہ اور دیگر معاہدات نے ثابت کیا کہ طاقت کا استعمال صرف جنگ یا جارحیت تک محدود نہیں، بلکہ مفاہمت اور سفارتی تعلقات بھی ایک مؤثر جہت ہیں۔ یہ طریقے جدید دور کی بین الاقوامی سیاست میں بھی اہم ہیں، جہاں ریاستیں طاقت کے متوازن استعمال کے ذریعے عالمی سطح پر اعتماد اور سلامتی قائم کر سکتی ہیں۔
- عصرِ نبوی میں اقتدار کی ذمہ داری کا تصور واضح تھا — طاقت کا استعمال اخلاقی حدود میں تھا، اور حکمران کو رعایا کے حقوق اور مفاد عامہ کا خاص خیال تھا۔ یہ ماڈل آج کے سیاسی رہنماؤں کے لیے رہنما اصول فراہم کرتا ہے کہ اقتدار محض حکمرانی کا ذریعہ نہ ہو، بلکہ خدمت اور امن کا سبب بنے۔
- قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مبنی قوانین اور اصول عصرِ نبوی میں مقتدر تھے، اور یہ قوانین عام لوگوں کے لیے واضح، قابل فہم اور قابل عمل تھے۔ مثال کے طور پر "وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ" فہم اور قابل عمل تھے۔
- نبوی حکومت نے اپنی حکمت عملیوں میں لچک دکھائی — حالات کے مطابق فیصلے کیے گئے، بعض اوقات سمجھوتے کیے گئے، اور بعض مواقع پر عسکری جواب بھی دیا گیا۔ یہ لچک آج کے معاصر مسلم ریاستوں کے لیے اہم سبق ہے کہ نظریاتی اصولوں کے ساتھ حقیقت پسندی کا امتزاج ہونا چاہیے۔
- اسلام میں کسی بھی امتیاز کی اجازت نہ تھی — چاہے وہ نسلی ہو، مادی ہو یا سماجی۔ عصرِ نبوی میں غلاموں، خواتین، اقلیتوں، اور مختلف قبائل کو حقوق دیے گئے۔ یہ مساوات کا تصور آج کی دنیا میں انسانی حقوق اور قانونِ انصاف کے شعبوں میں بھی لازمی ہے۔

سفارشات

- مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ ایسے رہنما پیدا کریں جو نبوی ماڈل کے مطابق اخلاقی، ذہنی، اور انصاف پر مبنی ہوں۔ قائدین کو شریعت، شفافیت، اور عوامی مشاورت کی تربیت دی جائے۔
- اسلامی ریاستوں کو قانون شریعت کو واضح اور عوامی زبان میں بیان کرنا چاہیے، اور عوامی فیصلوں میں رہنما اصول قرآن و حدیث سے مستند ہونے چاہئیں۔ عدلیہ کی آزاد حیثیت اور شہری حقوق کی حفاظت اولین ترجیح ہوں۔
- عہد نبوی میں مشاورت کا عمل معمول تھا۔ جدید ریاستوں میں عوامی نمائندے، مقامی حکومتیں اور شوری جیسے ادارے اس عمل کی بنیاد ہوں تاکہ فیصلے حکمرانوں کی یک طرفہ مداخلت کی بجائے مشترکہ مفادات پر مبنی ہوں۔
- بین الاقوامی تنازعات میں عسکری طاقت کے استعمال سے پہلے مذاکرات، مفاہمت اور بین الاقوامی قوانین کا احترام کیا جائے۔ نبوی دور میں صلح حدیبیہ جیسے معاہدے ہمیں یہ سبق دیتے ہیں کہ وقتی مفاہمت طویل المدتی امن کی راہ ہموار کرتی ہے۔
- زکوٰۃ، انفاق اور دیگر ترغیبی و لازمی اقدامات سے غریب، یتیم، بیواؤں اور محتاجوں کا خیال رکھا جائے۔ اقتصادی پالیسیاں امتیازی نہ ہوں، اور وسائل کی منصفانہ تقسیم کو یقینی بنایا جائے۔
- مرکزی حکومتی اختیارات کم ہو کر مقامی حکومتوں کو زیادہ ذمہ داریاں دی جائیں تاکہ عوام سے قریب ترین فیصلے لوکل سطح پر ہوں۔ اس طرح قوت کا توازن برقرار رہ سکے گا۔
- عہد نبوی کے ماڈل کی تعلیم مدارس، یونیورسٹیوں، اور عوامی فورمز پر دی جائے تاکہ لوگ سمجھیں کہ طاقت کس طرح استعمال کی جائے اور کس طرح ریاستی اور سماجی ذمہ داریاں نبھائی جائیں۔
- راہ دہندگان، رپورٹرز، سول سوسائٹی، اور میڈیا کی آزادی ایسی بنیادیں ہیں جو طاقت کے غلط استعمال کی نگرانی کرتی ہیں۔ شفافیت اور جوابدہی ریاست کو مستحکم کرتی ہیں۔
- تحقیق اور تجزیہ اسلامی سیاسی نظریات اور تاریخ اسلام پر مبنی ہوں، تاکہ پالیسی میکروز کو ایسا ماڈل فراہم ہو جو دینی اصولوں سے ہم آہنگ اور عصری حالات کا تقاضا پورا کرے۔
- اسلامی ریاست کو چاہیے کہ مختلف مذاہب، ثقافتوں اور قبائل کے حقوق کا احترام کرے، امتیازی سلوک نہ ہو، اور شمولیت کا جذبہ فروغ پائے۔ یہ عصری معاشروں میں داخلی سلامتی اور بین المذاہب ہم آہنگی کے لیے ضروری ہے۔

مصادر و مراجع

- 1- القرآن
- 2- حسن بصری تجرید، "قانون، طاقت اور انصاف: قرآنی تناظر میں ایک مطالعہ"، تجرید، جامعہ اسلامیہ اسٹیٹ سونان گونگ جاتی بندونگ، جلد 27، شمارہ 2 (2022)۔
- 3- ڈاکٹر عبدالرؤف زاہد، ڈاکٹر مصباح الحسن، اور ڈاکٹر محمد حسن، "قرآن میں سیاسی انصاف: نظام حکومت و قیادت کا مطالعہ"، تنازور، جلد 6، شمارہ 1 (جنوری۔ مارچ 2025)۔
- 4- طاقت کے تصورات اور بنیادی اصول، "پولیتیا: اسلامی سیاسیات کا جریدہ"، جلد 7، شمارہ 2 (جولائی۔ دسمبر 2024)۔
- 5- اسلام میں ریاست کا تصور: ایک تجزیاتی مطالعہ، سی پی ایس گلوبل، اسپرٹ آف اسلام، نومبر 2013۔
- 6- قرآن: سورۃ آل عمران، آیت 26؛ سورۃ الحدید، آیت 25؛ سورۃ النساء، آیت 58؛ سورۃ النساء، آیت 135؛ سورۃ الشوریٰ، آیت 38۔
- 7- مائیکل لیکر، "قبل از اسلام عرب"، نیو کیمرج ہسٹری آف اسلام میں، مدیر: جیس ایف. رائسن، حصہ اول: دورِ متاخر قدیم، کیمرج: کیمرج یونیورسٹی پریس، 2011۔
- 8- محمد بمیہ، "قبل از اسلام معاشرتی تنظیم و ثقافتی اظہار کے نمونے"، دی وائیلی بلیک ویل ہسٹری آف اسلام، ص 77-96، آکسفورڈ: وائیلی بلیک ویل، 2018۔
- 9- اسلام سے قبل عرب: جزیرہ نما عرب کی سماجی، سیاسی اور مذہبی حالتیں، "اسلامک کرائیکلز، تاریخ رسائی: [تاریخ درج کریں]۔
- 10- قبل از اسلام عرب، "انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا، تاریخ رسائی: [تاریخ درج کریں]۔
- 11- قبل از اسلام عرب معاشرے: ثقافتی ورثے، سماجی نظام اور عقائد کی دریافت، "انٹرنیشنل جرنل آف ریلیجیون اینڈ انٹرنیشنل سٹڈیز 1، شمارہ 1 (2024): 67-84۔
- 12- ناصر حسن وانی، "مدینہ کی ریاست: انتظامی و آئینی پالیسیوں کا تجزیہ"، العارفہ: شریعہ، اسلامی معاشیات و قانون کا مجلہ، جلد 1، شمارہ 2 (2023)۔
- 13- ڈاکٹر نثار اختر اور ڈاکٹر نور ولی شاہ، "اسلامی سیاسی نظام: عہد نبوی کے معاہدات کی روشنی میں"، الایجاز ریسرچ جرنل آف 14- اسلامک اسٹڈیز اینڈ ہیومنیزم۔
- 15- نظریہ تنظیم نبوی، "یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی (یو ایم ٹی)، لاہور کا تحقیقی مضمون۔
- 16- اسلامی تہذیب: نبی اکرم ﷺ کی اسلامی ریاست، "اسلام سیولائزیشن ڈاٹ کام۔
- 17- نبی اکرم ﷺ کا نظام حکومت - ریاست کی تقسیم صوبوں میں، "جہانگیر زور لڈ ٹائمز۔

- 18- فریڈ ڈونر، "اسلام کا ظہور اور ریاستِ مدینہ"، اسٹڈیز ان اسلامک اسٹیٹ۔
- 19- عبداللہ المأمون، "بین الاقوامی تعلقات میں صلح حدیبیہ کا کردار"، ملیشین جرنل آف اسلامک اسٹڈیز (ایم جے آئی ایس)، اسلامی یونیورسٹی، کوشتیا۔
- 20- اسحاق ابو بکر دادوہ، "صلح حدیبیہ کا تجزیہ: نبی اکرم ﷺ کے فوائد اور تعلیمی اثرات"، کونٹا گور انٹرنیشنل جرنل آف ایجوکیشنل ریسرچ 2، شمارہ 3 (2025)۔
- 21- فخری، ح۔ اور برکھوردار، ن۔ "صلح حدیبیہ میں نبی اکرم ﷺ کی حکمتِ عملی کا جائزہ SWOT: ماڈل کی روشنی میں"، دی ہسٹری آف اسلامک کلچر اینڈ سیولائزیشن، جلد 4، شمارہ 13 (2014): 51-78۔
- 22- سیما گل، "صلح حدیبیہ کی حکمت، فوائد اور اسباق کا جدید تناظر میں تحقیقی تجزیہ"، فہم اسلام 7، شمارہ 2 (2024)۔
- 23- صلح حدیبیہ کا اثر: جزیرہ عرب میں اسلام کے پھیلاؤ پر اثرات، "انٹگریشن: جرنل آف سوشل سائنسز اینڈ کلچر، یونیورسٹی سونان گونگ جاتی۔
- 24- ڈاکٹر ذیشان، "نبوی سفارت کاری: جدید بین الاقوامی تعلقات میں صلح حدیبیہ سے اسباق"، جرنل آف ریلیجین اینڈ سوسائٹی 2، شمارہ 4 (2024): 722-734۔
- 25- یاسر خان، "صلح حدیبیہ کا مثنی تجزیہ"، ریڈینس ویلی، 3 نومبر 2022۔
- 26- برہان الدین جلال، امنہ سایہ اسماعیل، رضوان یاسین، اور منتہا صالح، "نبی اکرم ﷺ کے عہد میں جنگ و عسکری اخلاقیات"، الصرات 19، شمارہ 2 (2021): 24-37۔
- 27- محمد منیر، "جنگ کے اخلاقی اصول: نبی اکرم ﷺ کی اصلاحات"، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، اپریل 2011۔
- 28- اسلامی قوانین جنگ، "رپورٹ، accessed [تاریخ]۔
- 29- جنگ میں شریعت کے ضوابط: نبوی اصولِ عمل، "دارالافتاء مصر، accessed [تاریخ]۔
- 30- فریدہ (ایم فل محققہ) اور ڈاکٹر سجاد احمد، "اسلامی عسکری حکمتِ عملیوں کے اخلاقی پہلو: تاریخی اور جدید تجزیہ"، الایجاز ریسرچ جرنل آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ہیومنیشنز۔
- 31- قرآن: سورۃ التوبہ، آیت 103۔
- 32- محمد طاہر اکبر، "نبی اکرم ﷺ کے دور میں اجتماعی معاشی انصاف کے معیارات"، الابصار: ریسرچ جرنل آف فقہ و اسلامیات 2، شمارہ 1 (2023): 11-21۔
- 33- سید حمید فاروق بخاری، "غربت کے خاتمے میں زکوٰۃ و وقف کا کردار: پاکستان کے تناظر میں اسلامی نقطہ نظر"، الایجاز ریسرچ

- 34۔ جرنل آف اسلامک اسٹڈیز اینڈ ہیومنسٹیز 9، شمارہ 1 (2025): 157-166۔
- 35۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاة، حدیث: "مَا نَقَصَ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ"۔
- 36۔ حافظ فیض رسول، عبدالعزیز، حافظ محمد عثمان، اور مروہش کرن، "اسلام میں معاشی انصاف: قرآن و سنت کی روشنی میں جامع تصور"، تنازور 5، شمارہ 4 (2024): 1-15۔
- 37۔ قرآن کی روشنی میں سیاسی انصاف، تنازور ریسرچ جرنل، جلد 6، شمارہ 1 (جنوری۔ مارچ 2025): 17-31۔
- 38۔ قرآنی رہنمائی برائے نظم حکومت، "آئی ایس ایس پی ایجو پاکستان، 8 جون 2024۔
- 39۔ صحیح بخاری کے رواقہ حدیث کا سوشالوجیکل تجزیہ، "arXiv Preprint، 3 فروری 2021۔
- 40۔ اسلام میں قیادت اور عدل کا نظام"، اسلامک بریگزڈاٹ کام۔
- 41۔ اسلامی عدالتی نظام"، محمد انسائیکلو پیڈیا ڈاٹ کام۔
- 42۔ محمد رمضان نجم بروی، "عہد نبوی میں انتظام و مشاورت: جدید دور کے تناظر میں ایک مطالعہ"، جرنل آف اسلامک اینڈ ریلیجیون اسٹڈیز 5، شمارہ 2 (2020): 55-67۔
- 43۔ مہرین بلال اور ڈاکٹر نسیم اختر، "نبوی نظام قیادت: اصول، ارتقاء اور جدید سماج پر اثرات"، جرنل آف ریلیجیون اینڈ سوسائٹی 4، شمارہ 1 (جولائی 2025): 213-222۔
- 44۔ فہمیدہ ریاض اور عمر رحیل، "شرعی و ریاستی نظام حکومت کے امتزاج پر ایک تقابلی مطالعہ"، جرنل آف ورلڈ ریلیجیون اینڈ انٹرفیٹھ ہارمونی 4، شمارہ 1 (2025): 140-164۔
- 45۔ طیب ندیم، ڈاکٹر محمد، اور ڈاکٹر احمد رضا الحبیب، "نبوی قیادت و نظم حکمرانی: اسلامی نقطہ نظر سے تجزیاتی مطالعہ"، ایقان 4، شمارہ 2 (2025)۔
- 46۔ جمال احمد بادی، "مؤثر قیادت: نبوی طرز فکر پر مبنی نظامی ماڈل"، جرنل آف اسلام ان ایشیا 14، شمارہ 3 (2024)۔
- 47۔ محمد عطا اللہ، محمد عبید اللہ، اور محمد عنایت اللہ، "اسلامی سیاسی فکر: قدیم اصولوں کی معاصر اہمیت"، جرنل آف ریلیجیون اینڈ سوسائٹی 3، شمارہ 2 (2025): 110-124۔
- 48۔ حمید عنایت، اسلامی سیاسی فکر جدید، لندن: ریڈ گلوب پریس، 1982۔
- 49۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد ۲، بیروت: دار الکتب العلمیہ، 1990۔
- 50۔ حمید اللہ، محمد۔ خطبات بہاولپور۔ لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، 1959۔